اختلافِ فقہاء' اسباب و علل

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

ایک شخص جب فقہاء اور مجتہدین کی آراء اور ان کے اجتہادات پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات سوالیہ نشان بن کر ابھرتی ہے کہ: جب تمام فقہاء' اور ائمۂ مجتہدین کے استدلال اور استخراج مسائل کا بنیادی مآخذ و مصدر کتاب اللہ' اور سنت رسول ہے' تو پھر ان کی آراء اور اجتہادات میں مختلف مواقع پر اختلاف کیوں ہے۔ ایک مسئلے میں ایک امام اور مجتہد کی ایک رائے ہے' اور اسی مسئلے میں دوسرے امام یا ائمہ کی آراء اس سے مختلف ہیں۔ ایسا کیوں ہے اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟

یہ مسئلہ یقیناً وضاحت طلب ہے ۔ جن حضرات نے ائمۂ مجتہدین اور فقہاء کے ان اختلافات کے اسباب و علل سے آگہی حاصل نہیں کی' اور اس کی حقیقت تک نہیں پہنچے وہ مختلف الجھنوں کا شکار ہو گئے۔ ان اختلافات کی تہ تک نہ پہنچنے کے سبب ان کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرا کہ جب چاروں ائمہ مجتہدین کے احکام مسائل کے اخذ و استنباط میں مآخذ و مصادر مشترک ہیں تو پھر اختلاف کی کیا وجہ؟ اس لئے ضروری ہوا کہ اس اختلاف کے اسباب و علل کی نشان دہی کی جائے' اور یہ بتایا جائے کہ اس کا مبنا اور منشاء کیا ہے؟

فقہاء' اور اہل علم نے اس کے مختلف اسباب اور وجوہ بیان کئے ہیں۔ اجمال و اختصار کے ساتھ اس کا تجزیہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تعلیم مسائل کی وہ صورتیں نہیں تھیں' جو آج ہیں' 'فقہ' فتاوی' اور مسائل کی چھوٹی یا بڑی مستقل کتابیں نہیں لکھی جاتی تھیں' جس طرح

آج نہ صرف مسائل بلکہ ان کے ارکان' آداب و شرائط اور فضیلت پر الگ الگ رسائل اور کتابیں تالیف ہوتی ہیں۔ اس وقت معاملہ بہت آسان اور سادہ تھا۔ جو حکم نازل ہوتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اس کے کرنے کا حکم دے دیتے۔ یا خود عمل کرکے بتلا دیتے۔ وضو کا حکم نازل ہوا' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور کو وضو کا طریقہ بتایا' اور حضور نے صحابہ کو وضو کرکے بتلا دیا' نماز کا حکم آیا' جبرئیل علیہ السلام نے حضور کو نماز پڑھ کر بتا دی' حضور نے امت کو نماز کا حکم سنایا اور نماز پڑھ کر دکھائی' اور فرمایا: "جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھ رہے ہو بس اسی طرح نماز پڑھو"۔ یہ تجزیہ نہیں کیا کہ اس کا فلاں جزو شرط ہے' فلاں رکن' فلاں فرض' اور فلاں مستحب۔ صحابہ نے بھی یہ تحقیق نہیں کی کہ نماز کے مختلف اجزاء میں سے کسی جزو کا کیا مرتبہ اور کیا حکم ہے۔ اگر کسی وقت کوئی سوال کرتا تو اسے ناپسند کیا جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ قرآن حکیم کی اس آیت سے دلیل پکڑتے: **لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم** [1] (اشیاء کے بارے میں زیادہ سوال مت کرو۔ اگر تم پر ان کی حقیقت ظاہر ہو گئی تو تمہارے لئے برا ہوگا)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا: **لا تمنعوا اماء اللہ مساجدکم** (اللہ کی بندیوں کو نماز پڑھنے کے لئے اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو) ان کے بیٹے نے کہا: حالات کو دیکھتے ہوئے ہم عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے آنا مناسب نہیں سمجھتے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث رسول کے مقابلے میں اپنے بیٹے کا یہ فقرہ سنا تو غصے سے تلملا گئے۔ کہنے لگے: "میں قول رسول بیان کر رہا ہوں' اور تو کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں نہیں آنے دیں گے" اور صرف غصے اور ناراضگی کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ مرتے دم تک بیٹے سے بات نہیں کی۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر سے کسی نے پوچھا: "وتر واجب ہیں یا سنت"؟ آپ نے جواب دیا: میں نے حضور علیہ السلام کو ہمیشہ پڑھتے دیکھا ہے' اس نے پھر پوچھا۔ آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ عمل کرنے والے کو تحقیق و تدقیق میں نہیں پڑنا چاہئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی اس طرح سوالات کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

صحابہ کرام جس طرح حضور کو عمل کرتے دیکھتے ویسے ہی عمل کر لیتے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ آپ نے وضو میں ایک ایک عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ اس نے ویسا ہی کر لیا' دوسرے نے تین تین بار دھوتے دیکھا۔ اس نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اور پھر وہ دوسروں سے بیان بھی ویسے ہی کرتا۔ ایسی صورت میں اختلاف ہونا لازمی امر تھا۔ مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: ایک نابینا صحابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں گھر میں نماز ادا کر لیا کروں؟ حضور نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا کہ ان نابینا صحابی کا گھر مسجد سے قریب ہے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں فرض نمازیں گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے(۲)

ایک ہی شخص کے بارے میں دو مختلف روایتیں' اور دو مختلف حکم ہیں۔ لیکن تحقیق و تجسس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کے بارے میں حضور علیہ السلام نے جو دو مختلف حکم فرمائے وہ اس لئے کہ صورت حال بدل گئی تھی۔ جو شخص پورے پس منظر سے واقف نہیں ہوگا' اور اسے صرف ایک روایت کا علم ہوگا وہ اسی کو اختیار کرے گا' اور جسے دوسری روایت کا علم ہوگا وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

نبی علیہ السلام کے زمانے میں بعض واقعات ایسے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک شخص کو کوئی کام کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے تھے' لیکن دوسروں کو وہی کام کرنے سے روک دیتے تھے۔ اس کی وجہ اور حکمت دونوں کے حالات کا مختلف ہونا ہوتا تھا۔ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا مال جہاد کے لئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا' آپ نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن دوسرے بعض صحابہ نے اپنا سارا مال پیش کرنا چاہا تو آپ نے انہیں منع فرمایا دیا۔

ایک صحابی نے حضور سے پوچھا: کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا کروں؟ یہ صحابی بہت صحت مند تھے' اور کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا: "اختیار ہے۔ چاہے

تو رکھو' اور چاہے نہ رکھو"۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "سفر کی حالت میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کی بات نہیں ہے"۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضر (غیر سفر) کی حالت میں روزہ توڑنے والا"۔ (۳)

روایات کے اختلاف کی بنیادی وجہ' حالات کا اختلاف ہے' ایک شخص کے الگ حالات تھے' اسے نبی علیہ السلام نے ایک حکم دیا' دوسرے شخص کے حالات اس سے بالکل مختلف تھے' آپ نے اسے دوسرا حکم دیا' دوسرے یہ کہ ایک مجلس میں ایک بات کہی' دوسری مجلس میں دوسری بات کہی' اس کے سامعین الگ تھے۔ ہر مجلس کے سامعین نے جو بات سنی وہ دوسروں سے نقل کر دی۔

اس صورت حال میں فقہاء صحابہ' تابعین' اور ائمۂ مجتہدین اس امر کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ دونوں طرح کی روایات کا ماخذ اور پس منظر تلاش کریں' اور جس روایت' اور جس حکم کا جو پس منظر اور بنیادی سبب ہے' اس کو اسی پر محمول کریں۔ (۴)

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص شخص کو' کسی خصوصیت کی وجہ سے کوئی خاص حکم دیا' حاضرین مجلس نے اسے عام حکم سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل کر دیا۔ جیسے حضور علیہ السلام نے ایک صحابی کا مہر یہ قرار دیا کہ جو چند قرآنی آیات انہیں یاد ہیں وہ اپنی منکوحہ کو یاد کرا دیں ۔ یہ ایک خاص حکم تھا ۔ جو لوگ مجلس میں موجود تھے اور ان کے سامنے اس حکم کا پورا پس منظر تھا' انھوں نے خصوص پر محمول کیا' اور جن کے سامنے پورا پس منظر نہیں تھا' اور انھیں پس منظر کے بغیر صرف اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ انھوں نے اسے عموم پر محمول کیا۔ (۵)

۳۔ اختلاف روایت کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد لوگوں نے ایک کام کرتے دیکھا ۔ دیکھنے والوں میں سب لوگ ایک ہی ذہنی اور فکری سطح کے لوگ نہیں

ہوتے تھے۔ کچھ لوگ دانائی اور فقاہت میں کمزور۔ مگر حافظے کے تیز' جو دیکھا اسے خوب یاد رکھا۔ انہوں نے حضور کے اس عمل کو من و عن نقل کیا۔ مگر سیاق و سباق اور پس منظر کے بغیر۔ حضور کے سفرحج کے حوالہ سے ایسی بے شمار مثالیں ذخیرہ حدیث و روایت میں موجود ہیں۔ مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا احرام باندھا تو کسی نے سمجھا کہ آپ قارن ہیں۔ یعنی حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے ہیں۔ کسی نے خیال کیا کہ آپ متمتع ہیں۔ یعنی پہلے عمرہ ادا کریں گے اور پھر حج ادا کریں گے۔

اسی طرح اس بات میں اختلاف ہوا کہ حضور نے کس وقت احرام باندھا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا' مجمع ایک لاکھ سے زیادہ تھا' ہر شخص حضور کو نہ بہت قریب سے دیکھ سکتا تھا' اور نہ سب کے لئے بیک وقت دیکھنا ممکن تھا' جس نے جس وقت پہلی بار احرام کی حالت میں دیکھا اس نے اسی کے مطابق نقل کر دیا۔ (۶)

۴۔ بسااوقات اختلاف اس لئے پیش آتا ہے کہ حکم یا عمل کی علت بدل جاتی ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' ایک کافر کا جنازہ سامنے سے گزرا' حضور کھڑے ہو گئے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس لئے کھڑے ہوئے تھے کہ جنازے کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں' ان کی تعظیم مقصود تھی' اس صورت میں مومن کا جنازہ اگر گزرے تو بطریق اولیٰ کھڑا ہونا چاہئے۔ جن لوگوں کے نزدیک فرشتوں کا ہونا علت ہے' ان کے نزدیک کافر کا لفظ روایت میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۷)

بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اس لئے کھڑے ہوئے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سروں سے اونچا ہو کر نہ گزرے' اس میں مسلمانوں کی اہانت کا پہلو ہے۔ اس صورت میں قیام صرف کافر کے جنازے کے ساتھ مخصوص تھا' اور روایت میں کافر کے ذکر کرنے کی خاص طور سے ضرورت ہے۔ (۸)

۵۔ اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے جو ایک سے زائد معانی میں یکساں طور پر مستعمل تھے۔ نبی علیہ السلام نے اپنے کلام میں اس لفظ

کے ایک معنی مراد لئے۔ مگر سننے والوں نے دوسرے معنی مراد لے لئے۔ جیسے وضو کا لفظ۔ اصطلاحی معنی کی رو سے اس وضو کے لئے استعمال ہوتا ہے جو نماز کے لئے کی جاتی ہے۔ لیکن از روئے لغت صفائی' نظافت' اور پاکیزگی کی خاطر ہاتھ منہ دھونے کو کہتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ: "میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا' کھانے میں برکت کا باعث ہے" حضور نے فرمایا: "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا' کھانے میں برکت کا سبب ہے"۔ اس واقعے اور کلام میں حضرت سلمان نے بھی' اور حضور نے بھی وضو سے نظافت کی خاطر ہاتھ دھونا مراد لیا ہے' نماز والی وضو ہرگز مراد نہیں ہے۔(۹)

۶۔ اختلاف کی ایک وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کی ممانعت فرمائی۔ ہر زبان میں حکم کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض سننے والے اسے قطعی اور حتمی سمجھتے ہیں' بعض کا خیال ہوتا ہے کہ حکم کی تعمیل افضل و بہتر ہے۔ اگر تعمیل نہیں کریں گے تو کسی سزا کے مستحق نہیں ہوں گے۔ بعض اسے محض اجازت پر محمول کرتے ہیں۔

اختلاف روایات' اور اختلاف آراء کی یہ وہ صورتیں تھیں جو صحابہ کرام کے دور میں پیش آئیں۔ ان کے بعد تابعین کا زمانہ آیا' اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کے مختلف اقوال' اور مختلف توجیہات و تعبیرات کو محفوظ کیا' اور نئے حالات و مسائل کے احکام معلوم کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام دونوں کو اپنا رہبر و پیشوا قرار دیا' اور دونوں کے علم و حکمت سے بھرپور استفادہ کیا۔

ظاہر ہے کہ صحابہ میں اختلاف موجود تھا' ہر تابعی کو یہ سہولت حاصل نہ تھی کہ تمام صحابہ کے مختلف اقوال و آراء کو جمع کرکے ان میں باہمی تطبیق و ترجیح کی صورت نکالتے۔ پھر بھی ان حضرات نے جہاں تک ممکن تھا' صحابہ کے مختلف اقوال جمع کئے' اور بعض پر بعض کو کسی قوی دلیل اور مضبوط قرینے کی بنا پر ترجیح دی۔ جو اقوال کمزور اور مرجوح نظر آئے انھیں ترک کیا۔ اگرچہ ان میں بعض اقوال ایسے تھے جو جلیل القدر صحابہ کی طرف منسوب تھے۔ مگر علم و تحقیق کی دنیا اور ہے۔ اور عشق و عقیدت کی دنیا بالکل الگ اور مختلف ہے۔ ان حضرات کا کمال

احتیاط تھا اور دین کے بارے میں اس کی اشد ضرورت تھی کہ محبت و عقیدت' اور علم و تحقیق کے درمیان حد فاصل کو کبھی مٹنے نہیں دیا ۔ عقیدے' حکم' اور مسئلہ کی جہاں بات آئی وہاں خوب اچھی طرح چھان پھٹک کی ۔ اور کسی قول اور روایت کو قبول کرنے اور رد کرنے میں کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔

صحابہ کے بعد یہی حضرات مختلف علاقوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لائق تھے' اور بجا طور پر اس بات کے مستحق تھے کہ لوگوں کی دینی 'علمی' اور فکری رہ نمائی کا فریضہ ادا کریں ۔ چنانچہ جہاں جہاں یہ حضرات (تابعین) موجود تھے وہاں لوگوں کے مقتدا اور پیشوا بن گئے ۔ ان میں جو زیادہ اہل علم و فضل تھے ان کے پاس دور و دراز سے لوگ استفادہ کی غرض سے آتے ۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تھیں' صحابہ کی زندگی' ان کے اقوال و آراء اور فتاوی تھے ۔ اور ان میں باہمی تطبیق اور ترجیح کی صورتیں اور اصول تھے ۔ ان کے علاوہ کچھ نئے حالات و مسائل بھی تھے' جن میں ان حضرات کی مستقل آراء تھیں' اجتہاد و استنباط کے مختلف طریقے' اور مختلف زاویہ ہائے نظر بھی تھے ۔ طالبان علوم نے ان تمام چیزوں سے استفادہ کیا ۔ اور پھر یہ استفادہ کرنے والے اپنے اپنے علاقوں میں بعد میں آنے والوں کے لئے مرکز و مرجع بنے۔ (۱۰)

۷۔ مذکورہ بالا اسباب و وجوہ کے علاوہ اختلاف روایات کی ایک اہم وجہ احادیث کی روایت بالمعنی بھی تھی ۔ صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت باللفظ کا اہتمام نہیں تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا ۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ : میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا' ان میں سے ہر ایک نے اسے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا لیکن معنی ایک تھے ۔ اس بارے میں علمائے فن نے طویل بحثیں کی ہیں کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے یا نہیں ۔ ؟ لیکن علامہ سیوطی نے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اگر روایت کرنے والے میں وہ شرائط پائی جاتی ہوں جو اہل فن نے عائد کی ہیں تو پھر روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔ (۱۱)

ائمۂ مجتہدین کے مسالک اور آراء کے مختلف ہونے میں حسب ذیل وجوہ کا بھی دخل

ہے:

الف: ایک امام کو ایک حدیث ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک قابل اعتماد تھا۔ لیکن دوسرے امام تک کسی ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک معتبر نہ تھا' اس نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

ب: پیش آمدہ مسائل اور واقعات کا حل دریافت کرنے کے لئے مختلف اصول وضع کرنا' اور مقررہ اصول کے تحت ان کا حل معلوم کرنا۔ کسی نے اس کے لئے کوئی اصول وضع کیا' اور کسی نے دوسرے اصول سے کام لیا۔

ج: عرف و رواج کا اختلاف ۔ شریعت کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ عرف اور رواج کی تبدیلی سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کی رہائش مختلف علاقوں میں تھی ۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے عرف کے مطابق مسائل کا حل دریافت اور معین کیا۔

اس موقعہ پر ایک اور بات قابل غور ہے ۔ اور وہ یہ کہ محدثین اور فقہاء کی نوعیت کار میں فرق ہے ۔ اس کو سمجھنا ضروری ہے ۔ اس کو سمجھنے سے مذکورہ بالا اختلاف کے بنیادی سبب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہ دونوں گروہ بادی النظر میں ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف نظر آتے ہیں ۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں کے طریق کار میں بہت باریک مگر بنیادی فرق ہے ۔ ایک طبقے کی توجہ اور کاوش کا مرکزی نقطہ فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام تھا' اور دوسرے کی نظر تدوین حدیث کے کام پر تھی ۔ یہیں سے احکام مسائل کی دریافت میں فرق و امتیاز رونما ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کوئی فقیہ ایسا نہیں تھا جو صحیح حدیث کے مستند ذریعے سے اپنے تک پہنچنے کی صورت میں اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دیتا ہو ۔ اسی طرح کوئی محدث بھی ایسا نہیں جو حالات و ضرورت کی بنا پر مسائل کا حکم دریافت نہ کرے ۔ فرق یہ ہے کہ فقیہ اپنے مقررہ اصول و ضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش کرے گا' اور محدث کسی چیز کی بنا پر اس کا حل بتائے گا۔ محدث کے سامنے ایک حد تک دوسری راہیں مسدود ہیں اس لئے وہ

روایتوں کے قبول کرنے میں لازمی طور پر فراخ دل ہو گا۔ لیکن فقیہ کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی ہیں' اس لئے وہ کافی چھان پھٹک کے بعد کسی روایت کو قبول کرے گا۔

اس کے علاوہ دونوں کے مزاج اور طبیعت میں بھی فرق اور اختلاف ہے۔ ایک روایت کا دلدادہ' دوسرے پر درایت کا غلبہ۔ احکام مسائل کی دریافت میں اس فرق کا اثر یقیناً ظاہر ہو گا۔ مثلاً سنت سے احکام کے اخذ و استنباط میں محدث اس کی رعایت نہیں کرے گا کہ فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے یا نہیں۔ اس کے مطابق صحابہ کا عمل ثابت ہے یا نہیں؟ حدیث کی موجودگی میں محدث کسی صحابی کے قول ' فتوے' رائے اور کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ صرف حدیث کے نہ ملنے کی صورت میں صحابہ کے آثار' اور فتاویٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ قول اور فتوے کی صورت میں ترجیح کی بنیاد علم' تقویٰ' اور حفظ میں برتری اور شہرت ہو گی۔

اس موقعہ پر ایک اشکال ذہنوں میں ابھرتا ہے ۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے ۔ قرآن نے آپ کی تشریف آوری کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی بیان کی کہ اللہ کی طرف سے جو احکام مجمل طریقے سے دیئے گئے ہیں آپ ان کو واضح کر کے بتائیں تاکہ لوگوں کو عمل کرنے میں دشواری پیش نہ آئے ۔ پھر آپ نے بہت سے مسائل کو واضح اور حتمی طریقے سے کیوں نہیں بتایا جس سے ہر طرح کی الجھن ختم ہو جاتی اور عمل کرنے میں تذبذب کی کوئی کیفیت باقی نہ رہتی؟

سطحی نظر سے دیکھنے میں یہ اشکال خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی صورت حال امت کے لئے رحمت ہے اگر ہر جزئی اور فروعی حکم کو بھی حتمی طور پر بیان کر دیا جاتا اور امت کے لئے کسی مسئلے کی دو صورتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار باقی نہ رہتا تو اس سے امت کو تنگی پیش آتی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے جزئی اور فروعی احکام کو اس انداز سے منضبط نہیں کیا کہ لوگ مشکلات میں پھنس جائیں ۔ آپ نے دینی احکام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ۔ ایک وہ احکام ہیں جن میں غور و خوض اور بحث و تمحیص کو ناپسندیدہ قرار دیا ۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں بحث و تمحیص اور

اختلاف آراء کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اسے رحمت کا سبب قرار دیا۔

اس صورت حال کو بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے احکام کی دو صورتیں بیان کیں۔

ایک قطعی احکام جن میں کرنے والوں کے فہم کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی ۔ حتی کہ ان میں کسی قسم کی توجیہ اور تاویل کی بھی گنجائش نہیں رکھی ۔ ان میں ذرہ برابر انحراف اور کمی بیشی کرنے والوں کو گمراہ اور گنہگار قرار دیا۔

دوسرے وہ احکام جن میں لوگوں کی کمزوری اور امت کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے توجیہ اور تاویل کرنے والوں کو گنہگار اور بدعمل نہیں کہا۔ پہلی قسم کے احکام کو اعتقادیات سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری قسم کے احکام کو جزئی اور فروعی احکام مسائل سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن میں آپ نے سختی نہیں کی ۔ اختلاف آراء کی صورت میں کسی ایک فریق کو نہ مطعون کیا اور نہ اس کی رائے کو غلط قرار دیا ۔ دونوں آراء کی تصویب کی ۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں ۔ ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں دو صحابہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھیں غسل کی ضرورت پیش آئی پانی موجود نہیں تھا' ان میں سے ایک صاحب نے غسل نہ کرسکنے کے سبب نماز نہیں پڑھی. دوسرے صاحب نے تیمم کیا اور نماز ادا کرلی ۔ نبی علیہ السلام سے رجوع کیا تو آپ نے دونوں میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ اس نے غلط کیا۔ دونوں کی توثیق کی۔ (۱۲)

بات یہ ہے کہ اصولی اختلاف اور بات ہے اور فروعی اختلاف اس سے مختلف چیز ہے۔ بعض حضرات جزئی اختلاف کو اصولی اختلاف سمجھ کر ان آیات و روایات کو اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذموم کے بارے میں آئی ہیں ۔ وہ ایسا یا تو عدم علم کی بنا پر کرتے ہیں یا اس سے مقصد تلبیس ہے جو کہ شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ بات ہے۔

اس امر میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ اسلامی شریعت نے فروعی مسائل اور ان کے بارے میں اختلاف آراء کی بڑی وسعت اور گنجائش رکھی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی

ہجری میں جو تدوین مسائل کا دور تھا' جب خلیفہ ہارون الرشید نے امام مجتہد مالک بن انس سے یہ بات کہی کہ آپ کی مولفہ کتاب "المؤطا" کو حل مسائل کے لئے ایک مرکزی اور بنیادی کتاب قرار دے دیا جائے اور مفتیوں اور قاضیوں کو اس بات کا پابند کر دیا جائے کہ وہ اس کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کریں تو امام مالک بن انس نے اس تجویز کو رد کر دیا اور خلیفہ وقت سے یہ کہا کہ: فروعی مسائل میں صحابہ کی آراء مختلف ہیں اور وہ سب صواب پر مبنی ہیں ۔ مختلف علاقوں میں لوگ مختلف آراء کے پیروکار ہیں ۔ انہیں ان پر عمل کرنے دیجئے ۔ یہ صورت حال حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک کی عملی تعبیر ہے کہ میری امت کا اختلاف ' رحمت کا سبب ہے ۔ یہ وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے ۔ فروعی مسائل میں ائمہ مجتہدین کی مختلف آراء ہیں ۔ لوگوں کے لئے ان میں سے کسی پر بھی عمل کرنا جائز ہے ۔ حتی کہ ایک رائے کو چھوڑ کر شرعی اور اجتماعی ضرورت کی خاطر دوسری رائے کو اختیار کرنا اور اس کے مطابق فتوی دینا بھی جائز ہے۔

جزئی اور فروعی مسائل میں مجتہدین کے اختلاف آراء کے بارے میں عبد الوہاب شعرانی کا تبصرہ بہت جامع ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ تمام ائمہ مجتہدین راہ حق کے مسافر ہیں' ائمۂ اربعہ کے فقہی مسالک شریعت مطہرہ کے ترجمان ہیں' اس کی حدود سے کوئی باہر نہیں۔ ان کے مختلف اقوال و آراء امت کے لئے رحمت کا باعث ہیں۔

اللہ جل شانہ جو علیم و حکیم ہیں' ان کی حکمت اور مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ غیر منصوص احکام میں اختلاف آراء ہو ۔ اگر اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہ ہوتی تو وہ معمولی سے اختلاف کو بھی ممنوع قرار دیدیتے ۔ جس طرح دین کے بنیادی اور اصولی احکام میں اختلاف کو حرام قرار دیا۔

اس حدیث پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے کہ فروعی اور جزئی اختلافات کا معاملہ اصولی اختلاف سے بالکل مختلف ہے ۔ انہیں ایک سطح پر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس خلط مبحث سے فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروعی اختلاف آراء کو

امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے۔

ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال و آراء مشکاۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، ان کے اقوال و آراء میں فرق یہ ہے کہ کسی ایک امام نے حکم شرعی کے متعلق اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا، اور دوسرے نے رخصت کو ترجیح دی"۔ (۱۴)

ائمۂ مجتہدین کے اقوال و آراء میں جو اختلاف ہے، اس پر اگر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کا ہونا ضروری تھا۔ اگر عقائد، اور اصولی احکام کی طرح ہر حکم حتمی طور پر اتارا جاتا، اور ماہرین فن کو اجتہاد و استنباط کی اجازت نہ ہوتی تو یہ امر امت کے لئے تنگی کا باعث بن جاتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ جس دین کو قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے، اور اس میں کسی تغیر و تبدل کا نہ امکان ہے، اور نہ اجازت۔ اس میں مسائل کی ایک ایسی نوع بھی شامل ہونی چاہئے تھی جس میں اس کے ماننے والے اجتہاد سے کام لے سکیں، اور ان کے لئے اپنی ضرورت اور عرف و عادت کے مطابق دو احکام میں سے کسی ایک حکم کو اختیار کرنے کی اجازت ہو۔ بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول و قواعد سے باہر نہ ہو۔

اختلاف ائمہ کی بحث میں ایک اور پہلو بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب اجتہاد شرعی چیز ہے، جس میں رائے اور فہم کا دخل ہوتا ہے، اور علمی و ذہنی سطح کے اختلاف کے باعث آراء مختلف ہو سکتی ہیں اور جب آراء مختلف ہوں گی تو ظاہر ہے کہ ائمہ کا اجتہاد اس سے متاثر ہوگا، اور ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد اجتہادی آراء ہو سکتی ہیں۔ لیکن آراء کے اس اختلاف کو نہ دین کے لیئے مضر کہا جائے گا، اور نہ اس سے امت میں تفریق و انتشار پیدا ہوگا۔

اختلاف کی یہ صورت علم، علماء اور امت کے لئے ترقی کا بھی باعث ہے، اور عوام و خواص کے لئے رحمت کا سبب بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ترقی تصادم اور ٹکراؤ کے بغیر نہیں ہوتی۔ بلکہ ترقی نام ہی دو مخالف چیزوں کے ٹکرانے کا ہے۔ علم کی وسعت اور ترقی بھی افکار و آراء کے ٹکراؤ اور تصادم سے وابستہ ہے۔ ایک حکیمانہ مقولہ ہے: دل آدمی کا مردہ ہے، اس کی زندگی علم سے ہے، اور علم انسان کا مردہ ہے، اس کی زندگی بحث و مناظرے سے ہے"۔

ظاہر ہے کہ بحث و مناظرہ، علم کو علم سے ٹکرانے ہی کا نام ہے، جس سے علم کے مخفی گوشے نمایاں ہوتے ہیں۔ تکوین الٰہی نے اسی لئے اسلام کے مقابلے میں کفر کی طاقتیں کھڑی کیں تاکہ کفر اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اسلام سے ٹکرائے اور اسلام کے حق و صداقت پر مبنی تمام پہلو روشن ہو جائیں۔

علم کے مقابلے پر شک، شبہ اور تذبذب کا لشکر اسی لئے صف آراء کیا گیا کہ جہل اپنے جس حصے کو علم کے خلاف استعمال کرتا ہے، علم کے اتنے ہی مخفی گوشے دنیا کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔

شریعت نے مشورہ کا حکم اسی لئے دیا کہ مختلف آراء کے تصادم سے معاملے کے اچھے اور برے۔ تمام پہلو سامنے آ جاتے ہیں، اور بات خوب اچھی طرح چھن چھنا کر بے غبار صورت میں سامنے آ جاتی ہے، جب تک اضداد نہ ہوں، اشیاء کی حقیقت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے دین میں ایک حصہ اہل فکر و نظر کے اجتہاد و تحقیق اور تصادم آراء کے لئے چھوڑ دیا تاکہ اسلام کا وہ مخفی اور باطنی پہلو بھی نہ صرف عیاں ہو بلکہ بحر بے کراں کی طرح پھیلتا چلا جائے جو وسیع تر اصول و کلیات، اور مخفی اسرار و علل پر مشتمل ہے۔ اور اس طرح خلق خدا امت مسلمہ کے مخصوص اور چیدہ دماغوں اور صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ لوگوں کو اسلامی علوم کی جامعیت اور کتاب و سنت کی ہمہ گیریت کا بھی اندازہ ہو جائے، اور لوگ اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں کہ کتاب و سنت کے مختصر نصوص میں علوم کا کتنا بڑا ذخیرہ بھرا ہوا ہے۔

اختلاف ائمہ کی بدولت احادیث کا ہر ہر محمل اجتہادی مسائل کی صورت میں معمول بہ ہے اور کلام نبوت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس تک لوگوں کی رسائی نہ ہو، اور جس پر عمل مشکل ہو۔

اس اختلاف سے امت کے لئے ایک سہولت بہم پہنچتی ہے، وہ یہ کہ ہر ذوق کا آدمی اور طبقہ اپنے ذوق کے امام مجتہد کی پیروی کر کے تعلیمات اسلام پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، جس امام کا مسلک اور اصول۔ جس ماحول اور معاشرے کے لئے زیادہ موزوں اور مفید ہو وہ اسے اپنا سکتا

ہے ۔ اس اجتہادی اختلاف نے اسلام کو ایک ایسے دریا کی مانند بنا دیا جس کا ایک گھاٹ نہ ہو، کئی گھاٹ ہوں، جو راہ رو جس طرف سے گزرے اس سے اپنی پیاس بجھا لے، ہر سمت سے گھوم کر ایک ہی طرف آنے کی مجبوری نہ ہو ۔ ہر گھاٹ کا پانی یکساں ہے، مزا بھی ایک ہے اور تاثیر بھی ایک ۔ صرف رخ بدلا ہوا ہے۔"

اس اجتہادی اختلاف کی بدولت ذہین و فطین شخصیتوں کے چھپے ہوئے جو ہر کھلے، کتاب و سنت کی بلاغت و جامعیت کے بارے مستور پہلوؤں کا اظہار ہوا، امت کے لئے عملی آسانیاں بہم پہنچ گئیں۔ ذات نبوت میں جو نوع بنوع علوم اللہ جل شانہ نے ودیعت کئے تھے، وہ امت پر آشکار ہو گئے۔

غرض دین، پیغمبر اور امت سب کے لئے اجتہادی اختلاف اور فروعی تنوع مفید اور سود مند ثابت ہوا ۔ اسی لئے کھلے لفظوں میں اس کی مذمت کی بجائے ستائش کی گئی، اور اسے رحمت واسعہ کہا گیا۔ (۱۴)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن:۵ (المائدہ، ۱۰۱)

۲۔ محمد سلام مدکور۔ ڈاکٹر۔ مناہج الاجتہاد (طبع: دار النہضہ عربیہ مصر ۱۹۶۰ء)۔ ص:۹۸

۳۔ محمد بن احمد انصاری قرطبی ۔ الجامع لاحکام القرآن (طبع مصر ۱۹۶۷ء) ۲/ ۲۷۷

۴۔ علی بن احمد بن حزم ۔ الاحکام فی اصول الاحکام (طبع قاہرہ ۱۳۴۵ھ) ۲/ ۱۲۴ ۔ نیز دیکھئے

۵۔ محمد زکریا کاندھلوی ۔ اختلاف ائمہ (طبع : مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔ ت ۔ ن ۔) ص:۴۔۱۱

۶۔ مناہج الاجتہاد ۔ ص : ۸۹ وما بعد

۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (طبع: محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۱ء)۔ ص:۹، ۱۰

۸۔ ایضاً۔ ص: ۱۰، نیز دیکھئے

۹۔ اختلاف ائمہ ۔ ص: ۱۸، ۱۹

۱۰۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ۔ ص : ۹، ۱۰

۱۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ حجۃ اللہ البالغہ (طبع: مطبع منبریہ مصر ۱۳۵۲ھ)۔ ۱/۱۵۵ ومابعد۔ نیز دیکھئے: اختلاف الفقہاء (امام طحاوی) ۔ تحقیق و تعلیق ڈاکٹر صغیر حسن معصومی (مقدمہ)

۱۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح ابواب الصلوٰۃ میں اور امام نسائی نے اپنی سنن کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ عبدالوہاب شعرانی ۔ المیزان الکبریٰ (طبع قاہرہ مصر ۱۲۷۹ھ)

۱۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " اختلاف امتی رحمتی" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) اور بعض روایات میں الفاظ ہیں " اختلاف اصحابی رحمہ واسعہ" (میرے صحابہ کا اختلاف وسیع تر رحمت ہے) ۔ اس روایت کو بیہقی، دارمی اور دار قطنی نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔

★★★